دعوتِ فکر و عمل

سید محمد سعید بہاری

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ الحمد لِلّٰہ رب العٰلمین الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥ نَحۡمَدُہٗ الذی بَعث فی الامیّینَ رسولاً مِنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ آیٰتِہٖ ویزکیهم و یعلّمهُمُ الۡکِتٰبَ وَالحکمۃ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وآلہٖ الطیبّین الطّاھرین وخلفایہ الرّاشدین المسترشدین واصحابہٖ الذین رضی اللہ تعالیٰ عنھم ورضوا عنہ والصَّلٰوۃُ التامّۃُ علیٰ مَن کَانَ نبیّاً ولٰادمُ بین الماءِ والطّین والسّلامُ علی الحقیقۃِ محمّدیۃِ اللّتی کانت فاتحۃَ الکتاب التکوین٥ فدٰأت قُلُوبنا وارواحُنا لِمن کان نَذِیراً وبشیراً و داعیاً الی الحقّ و سِراجاً مُنیراً رؤُفاً بالمومنین ورحمۃً للعلمین و بُعِثَ اَن یُتَمّمَ مکارِم الاخلاقِ وھو سیّدِنا وسیّدُ الموجوداتِ فَلِلّٰہ درُّ مولانا الجامی حیث قَالَ فی نعتہٖ۔

سلامٌ علیکَ اے نبی اے مکرّم — مکرّم ترا ز آدم و نسلِ آدم
سَلامٌ علیک اے زِ آبائے علوی — بصورت مؤخّر بمعنی مقدّم

سلامٌ علیک اے زِ اسمائے حسنیٰ جمالِ تو آئینہ اسمِ اعظم

(آپ پر سلام ہو اے نبیٔ مکرّم۔ جو آدم اور نسلِ آدم سے زیادہ مکرّم ہیں۔ آپ پر جو آبائے علوی سے بہ لحاظ صورت متوخر اور بہ لحاظ معنی مقدّم ہیں سلام ہو آپ پر جن کا جمال اسمائے حسنیٰ کا آئینہ دار ہے سلام ہو)

والسلامُ علی الانبیاءِ والرّسُل المکرمین ورحمۃُ اللّٰہ رحمۃً واسعۃً علیٰ اولیاء اللّٰہِ المُقربینُ الصّابرین الشاکرین العارفین المخلصین لہٗ الذینَ جاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہٖ واتقوّا اللّٰہ حَقَّ تقاتہٖ وسعوا بقلوبھم وارواحھم بالجھاد الاکبر علی النفس الامّارۃ ای ماسوالحق۔

اَمَّا بَعْدُ

میں تہہ دل سے مشائخِ کرام کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ازراہِ کرم مجھ ناچیز بدنام کنندۂ نکو نامے چند کو جمعیت المشائخ کی رکنیت کا شرف بخشا۔ قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زوند! بزرگوں کا یہ طریقہ چلا آیا ہے کہ، وہ خوردوں کی قدر افزائی فرماتے ہیں۔ مجھے اس امر کا شدید احساس ہے کہ مجھ میں اس منصب کی کوئی اہلیت نہیں لیکن "اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبْ" میرے حسبِ حال تو یہ ہے کہ من آنم کہ من دانم ؎

مَردُم ازمن نا امید و من زمَردُم شرمسار
نخلِ بے بر، ابرِ بے نم، مزرعۂ بے حاصلم

(لوگ مجھ سے مایوس ہیں اور میں لوگوں سے شرمندہ ہوں۔ درخت بے ثمر ہوں ابر بے نم ہوں، کِشتِ بے حاصل ہوں۔)

یہ اہم ذمّہ داری اپنے دوشِ ناتواں پر اٹھا لینے کے بعد مجھ پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ اپنے حقیر افکار اور قلبی احساسات کا برملا اظہار کر دوں یہ کتابچہ اسی تاثیر کے تحت قلمبند ہو رہا ہے۔

زِرہِ امتثالِ امر اس کارِ خیر میں شریک ہو گیا ہوں میرے تہی دامن میں سوائے متاعِ دردمندی و دل سوزی اور کچھ نہیں ہے ؎

بہ عالم ہر کجا درد و بلا بود بہم کردند و عشقش نام کردند

(عالم میں جہاں کہیں درد و بلا تھی اُسے جمع کر دیا، اور اس کا نام عشق رکھ دیا)

میرا مشائخ اور علماء کی خدمت میں کچھ عرض کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے بہ ہر کیف ؎

سوئے دریا تحفہ آوردم صدف گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

(دریا کے پاس صدف کا تحفہ لے کر آیا ہوں اگر قبول ہو جائے تو زہے عزّ و شرف)

حقیقتِ تصوّف و طریقت:

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشمِ مستِ ساقی وام کردند

(پہلی شراب جو کارکنان قضا و قدر نے جام میں انڈیلی ساقی کی چشمِ مست سے مستعار لی تھی)

جملہ عالم مظہرِ ربوبیت مُطلقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء رحمٰن و رحیم کے اقتضا سے ربوبیتِ الٰہی ہر فردِ کائنات اور ذرہ ذرّہ کی نشو و نما کا برگ و ساز فراہم کر رہی ہے اور جملہ تشخصات و تعیّنات کو اُن کی قابلیت کے مطابق پروان چڑھا رہی ہے مبداءِ فیّاض کی طرف سے اس بارے میں کوئی بخل نہیں۔ حق سبحانہٗ جوادِ مطلق ہے۔

اس لئے ہر ممکن کو بقدرِ ظرف و استعداد فیضانِ وجود و جوب سے مستفید فرما رہا ہے بقول غالب مرحوم۔

بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے
یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

تصوّف و طریقت کا معاملہ گو مادیّت پرستوں اور نام نہاد ترقی پسندوں کی محفل میں درخورِ اعتنا نہیں لیکن جہاں کہیں افکار کریمہ و اخلاقِ عالیہ کی تب و تاب ہے وہاں اِس حقیقت کی رُوح کی جلوہ گری از قبیلِ لوازم ہے۔

یک چراغ ست کہ از پرتوِ آں
جلوۂ دیر و حرم ساختہ اند

(ایک ہی چراغ ہے جس کے پرتَو سے دیر و حرم جلوہ افروز ہیں)

البتہ مقدّراتِ الٰہیہ کے اِفاضہ میں قابلیّت اور انتظامِ عالَم کی نگہداری شرط ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

اقبال مرحوم نے کہا تھا ؎

ہست ایں مے کدہ و دعوتِ عام است ایں جا
قسمتِ بادہ بہ اندازۂ جام است ایں جا

(یہ میکدہ ہے اور یہاں دعوت عام ہے یہاں جام کے اندازہ سے شراب تقسیم کی جاتی ہے)

اسمار و صفاتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا جب اِس عالم امکان و شہادت میں ظہور ہوا تو صورِ علمیہ نے حقائقِ موجودات اور اشیار کی صورتِ خارجی اختیار کر لی۔ ذات حق کی تجلیاتِ صفاتی و اَسمائی جب باطن سے ظاہر کی طرف متوجہ ہوئیں تو حقیقتِ وجودیہ مظاہرِ کونیہ میں جلوہ گر ہو گئی۔ عالمِ امر کے ظہورِ خارجی کو ہم عالمِ خلق، عالم شہادت اور عالمِ کثرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عالمِ مثال، عالمِ امر اور عالمِ خلق کے درمیان برزخ ہے۔ صُوَرِ مثالیہ عالمِ مثال کے واسطے سے عالمِ امر سے عالمِ موجوداتِ خارجی میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یعنی قوّت سے فعل میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اس انتقال کے وقت جو نسبت تعینات کی ذاتِ لا تعیّن کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ اُسے تشخّص اور انفرادیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ کو برزخِ کبریٰ اس لئے کہا جاتا ہے حضورِ اقدس کی ذاتِ بابرکات واسطہ ہے عالمِ امر اور عالمِ خلق کے درمیان۔ اس جامعیتِ کبریٰ کا نکتہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے اس شعر میں بیان کیا ہے :۔

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست — جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

(آنحضرتؐ نسخۂ کونین کے دیباچہ ہیں۔ آپ خواجہ ہیں اور جملہ اہل عالم آپ کے بندگان ہیں)

مثال کے طور پر جن حقائق کی جانب سطورِ بالا میں اشارہ کیا گیا ہے یہ وہ حقائق ہیں جن کا ماخذ آیاتِ متشابہات ہیں اور ان کی صحیح تاویل و تعبیر راسخون فی العلم ہی کو معلوم ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا۔" وما یعلم تاویلہٗ اِلاّ اللہ والرّاسخون فی العلم۔"

قرنِ اوّل یعنی زمانۂ نبوّت اور عہد خلافت راشدہ کے گذر جانے کے بعد یہ راسخون فی العلم اہلِ طریقت ہیں جو صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کہلاتے ہیں۔ صحابۂ کرام علمِ تصوّف و طریقت سے اس لئے مستغنی تھے کہ وہ مشکوٰۃِ نبوّت سے براہِ راست اقتباسِ انوار فرماتے تھے۔ لیکن بایں ہمہ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے واضح ہے حضرت اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے علمِ باطن و طریقت کی تعلیم خاص خاص صحابیوں کو دی تھی۔

لفظ صوفی کے بارے میں مختلف روائتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ صوف یعنی پشمینہ سے مشتق ہے۔ ایران میں صوفیوں کو "پشمینہ پوش" کہا جاتا تھا۔ دوسروں کے نزدیک صوفیاء کی اصل "اصحاب صُفّہ" سے جا ملتی ہے جو آنحضرت کے زمانے میں عبادات ریاضات و مجاہدات میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔

مستشرقین نے تصوّف کا ماخذ نوافلاطونیوں کی تعلیمات اور اُپنشدوں کو قرار دیا ہے مگر یہ ایک شدید قسم کا علمی مغالطہ ہے بعض امور میں اشتراک معنوی اصلیّت یا ماخذ کی واحدیت پر دلالت نہیں کرتا۔

معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ تصوّف و طریقت کا مدار تمام تر شریعتِ حقّہ پر ہے اور اس کا اصل ماخذ قرآن و سنّت ہے۔ تصوّف کی تعلیم جملہ سلاسل کو امام المشارق و المغارب علی ابن ابی طالب کرم اللہ علی وجہہٗ کے واسطے سے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور طریقۂ قادریہ کو ان ہر دو حضرات رضؓ کے توسّل سے پہنچی ہے تصوّف کا سلسلہ بالتواتر آنحضرتؐ تک پہنچتا ہے اس کے بہت سے دلائل و شواہد ہیں جن کا یہاں تذکرہ تحصیلِ حاصل ہے۔

تصوّف دراصل "احسان" ہی کی ایک صورت ہے جس کی تشریح آنحضرتؐ نے یہ فرمائی تھی کہ "یہ سمجھو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو یہ یقین کرو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے"۔ خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اگر پختہ ہو جائے تو یہی تصوّف ہے۔ جب آدمی یہ یقین کرتا ہے کہ خدا اُسے اور

اُس کے افعال و اعمال کو دیکھ رہا ہے اور شہ رگ سے بھی قریب تر ہے تو آدمی ارتکابِ معاصی سے اجتناب کرتا ہے اور اپنے ہر قول و فعل میں خدا کا خوف ملحوظِ خاطر رکھتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ: اِنّ العاقبۃَ للمتقین و لعباد اللّٰہِ الصالحین ٥ متقین کو صالحین پر فوقیت حاصل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ متقین نہ صرف نواہی و محرّماتِ شرعیہ سے اجتناب کرتے ہیں بلکہ مکروہات اور مشکوک مُباحات سے بھی حتی الوسع پرہیز کرتے ہیں۔ متقین میں صوفیائے کرام کا درجہ بہت بلند ہے اور ان کی پاکیزہ سیرت، خوش اخلاقی، تقویٰ اور طہارت کی دلالت اس معنی کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ اِن ہی بزرگوں کے علمِ باعمل کی برکت سے اسلام بلاجبر و اکراہ اطراف و اکنافِ عالَم میں پھیل گیا۔ شریعت و طریقت کا باہمی تعلق ایسا ہے جیسا کہ ظاہر کا باطن سے، کیفیت کا صورت سے، برقی روشنی کا قُمقمہ سے۔ کوئی باطن بغیر ظاہر کے نہیں ہے۔ کوئی کیفیت بغیر تمثیلی صورت کے نہیں ہوتی۔ کسی معنی کا اظہار بغیر لفظ کے نہیں ہوسکتا، کوئی حقیقت بغیر مجاز کے جلوہ گر نہیں ہوسکتی، اسی بنا پر صوفیاء کا قول ہے کہ "المجازُ قنطرۃُ الحقیقۃ"۔ مجاز

ایک پل ہے جس پر سے گزر کر ہم ساحلِ حقیقت پر پہنچتے ہیں۔ اگر کسی لفظ کو اس کے صحیح موضوعہ معنی کے مطابق استعمال کیا جائے تو وہ اپنا ما فی الضمیر ظاہر کر دیتا ہے۔ اگر صورت باطنی حقیقت کے مطابق ہے تو باطنی حقیقت قوّت سے فعل کی شکل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر شریعت و طریقت میں کوئی تخالف یا تضاد نہیں۔ نہ شریعت کی روح بغیر طریقت کے اپنی اصلی خوشبو اور رنگ روپ کے ساتھ عیاں ہو سکتی ہے اور نہ طریقت بغیر شریعت کے قائم رہ سکتی ہے۔

ظاہر و باطن کی یہ ہم آہنگی اور حقائقِ خارجی و حقائق باطنی کا یہ امتزاج طریقت سے معبّر ہے۔ اس عالمِ اضداد میں ہم آہنگی و سازگاری سے کائنات کا کارخانہ چل رہا ہے۔ عناصرِ اربعہ میں جب تعدیلِ مزاج پیدا ہوتا ہے تو عالمِ رنگ و بو کی نشو و نما ہوتی ہے۔ جب طریقت عینِ شریعت بن جاتی ہے اور انسان میں امورِ طبیعہ امورِ شریعہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو فقر و درویشی اپنے منتہائے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ یہ معاملہ آسان نہیں ہے۔ کاملین اولیاء اللہ اس مقام تک پہنچے ہیں جس میں طریقت عینِ شریعت ہوتی ہے اور شریعت حقیقت کی معنوی

روح کی آئینہ دار بن جاتی ہے۔

یہ بات عمل بالقرآن اور اتّباع سنّت حضرت مصطفیٰؐ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ فرماتے ہیں۔ ”یہ راہ وہ شخص پاتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنّتِ مصطفیٰؐ ہو اور ان کی روشنی میں چلے، تاکہ خارستانِ شکوک میں نہ گرے اور بدعت کی تاریکی میں راہ گُم نہ کرے۔“

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی ایک مکتوبِ شریف میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اے بھائی اگر فقر کے مراتب کو آج معلوم کرنا چاہتا ہے تو شریعت کی طرف نظر کر کیونکہ شریعت معیار ہے اور فقر کی قدر و قیمت اس معیار پر عیاں ہوتی ہے۔“ اور اس مضمون کو حضرت اکبر الہ آبادی یوں مختصراً ارشاد فرماتے ہیں:

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ بات   شریعت وضو ہے طریقت نماز

دین و دنیا

دین و دنیا میں کوئی تضاد و تخالف نہیں، دنیا خدا سے غفلت ہے کسی بزرگ کا قول ہے کہ ”جو دَم غافل سو دَم کافر“ اگر دنیا کے کام خوفِ خدا

کو مدِنظر رکھ کر یعنی لِوجہِ اللہ کئے جائیں تو وہ عین دین ہیں اور اگر دین کے کام ریاکاری اور خود طلبی کے لئے کئے جائیں تو وہ عینِ دنیا ہیں۔

اس عالمِ اعتبارات میں جب ہر قول و فعل منشا و رضائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے تو "من و تو" کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور بہ تبعیت آنحضرت ﷺ ظلّی طور پر حال یہ ہو جاتا ہے کہ :

مَا رَمیتَ اذ رمیتَ ولکنّ اللہ قَد رَمیٰ اور

گفتہ اُو گفتہ اللہ بُود ! گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کہنا خدا کا کہنا ہوتا ہے۔ اگرچہ الفاظ بندہ خدا کی زبان سے نکلتے ہیں)

فقر و فنا کا مطلب ترکِ دنیا یا فنائے جسمانی نہیں، بلکہ نسبتوں اور اضافتوں کا اسقاط ہے مولانا روم رح کے اس شعر کے یہی معنی ہیں ؎

تو درو گم شو وصال این است و بس

تو مباش اصلا کمال ایں است و بس

(تو اس وحدتِ حقہ، میں گم ہوجا، یہی وصال ہے۔ تو مطلق باقی نہ رہ کمال بس یہی ہے)

یہی توحیدِ خالص کا مقام ہے جو بدرجۂ اتم آنحضرت کو حاصل ہوا اور حضورِ پُر نور کی متبعت کاملہ سے علیٰ قدرِ مراتب اُمتِ مرحومہ کے اولیاء اللہ کو ارزانی فرمایا گیا۔ ؎

آئینہ دارِ پرتو مہر است ماہتاب ۔۔۔ شانِ حق آشکار زِ شانِ محمدؐ است

(ماہتاب آفتاب کے پرتو کا آئینہ دار ہے۔ حق کی شان، محمدؐ کی شان سے عیاں ہو رہی ہے)

جس چیز کو دنیا کہا جاتا ہے وہ خدا سے غفلت و بے تعلقی ہی کا نام ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن ۔۔۔ نے قماش و نُقرہ و فرزند و زن

(دنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہو جانا نہ کہ مال و زر اور فرزند و زن)

حضرت نظام الدین اولیاء نے ترکِ دنیا کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ "فقر یہ نہیں ہے کہ زاد و مال سے خالی ہو جائے، بلکہ فقر یہ ہے کہ اپنی خواہشِ نفسانی سے مُبرّا ہو۔"

حدیث شریف میں وارد ہے ــــ "لَا رُھبانِیَۃَ فِی الاسلام" اسلام میں ترکِ دنیا و گوشہ گیری نہیں صوفیاء کے نزدیک خلوت در انجمن ہونی چاہیئے یعنی صوفی لوگوں میں نشست و برخاست اور گفت و شنید

کے باوجود حق تعالیٰ کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہے۔ معاملہ کی حقیقت ہے کہ دنیا کے کاروبار کو منشاء اور رضائے الٰہی کے مطابق انجام دینا اور ہر معاملے میں تقویٰ و طہارت کو مدِنظر رکھنا زادِ آخرت ہے جیساکہ آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا تھاکہ "دنیا کشت زارِ آخرت ہے"۔

سورۂ الرحمٰن میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ○ یعنی جو اپنے رب کے مقام کا خوف کرتا ہے اُس کے لئے دو جنّتیں ہیں یعنی ایک اس دنیا میں اور ایک عالمِ آخرت میں۔ صوفیائے کرام دنیا کے سب کاروبار کرتے تھے لیکن اُن کی نیت خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتی تھی۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا تھاکہ "مردانِ خُدا جو کچھ کرتے ہیں، خدا کے لئے کرتے ہیں"۔ جب سالک کا تعلق باللہ اور قطعِ تعلق عن ماسویٰ اللہ اس رنگ میں ظاہر ہوتا ہے کہ علائق اور کاروبارِ دنیاوی کے باوجود قبلۂ قصد نگاہ ذاتِ حق ہی رہی ہے تو اس کی دنیا اور دین میں فرق و تغائیر باقی نہیں رہتا۔

رہ و رسمِ طریقت: حقیقت میں طریقت خدمتِ خلق کا ہی دوسرا نام ہے خواہ یہ خدمت

ظاہری ہو یا باطنی۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ حکیم الامت شیخ سعدی شیرازی رح فرماتے ہیں:۔

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست ۔۔۔ بہ تسبیح وسجّادہ و دلق نیست

(طریقت خدمت خلق کے سوا اور کچھ نہیں۔ محض تسبیح وسجّادہ اور خرقہ کا نام طریقت نہیں)

انسانوں کی ہمدردی و دل سوزی اور اُن کے دکھ درد کا مداوا کرنا صوفیاء کے طریقہ میں سب سے بڑی نیکی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رح کا قول ہے کہ "بازارِ قیامت میں دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ کسی چیز کی قدر نہ ہوگی اور دلداری سے زیادہ کسی سکّہ کا چلن نہ ہوگا۔" میر خورد رح فرماتے ہیں: "مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں یہ مسطور تھا کہ جہاں تک تجھ سے ہو سکے کسی کے دل کو راحت پہنچا کیونکہ مؤمن کا دل محلِ اسرارِ ربوبیت ہوتا ہے۔" اس سلسلہ میں مزید فرماتے ہیں۔ بزرگے خوش گوید:

دل آگاہ می باید وگرنہ ! ۔۔۔ گدا یک لحظہ بے نام خدا نیست

(دل کو آگاہی ہونی چاہئے ورنہ گداگر تو ہر وقت خدا کا نام ہی لیتا رہتا ہے)

اسلام نام ہے کمالِ انسانیت کا اور اسلام کی حقیقی روح کی تکمیلی صورت طریق صوفیا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

چیست انسانی تپیدن از غم ہمسائیگاں
وز سمومِ نجد در باغِ عدن بریاں شدن

(انسانیت کیا ہے۔ اپنے ہمسایوں کا غم کھانا اور عدن کے باغ میں بھی نجد کی بادِ سموم سے جلنا)

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ "طاعت دو طرح کی ہوتی ہے ایک لازمی اور دوسری متعدّی۔ لازمی وہ ہے جس کا نفع صرف فاعل کی ذات کو پہنچے یہ نماز، روزہ، حج اور ورد و وظائف پر مشتمل ہے۔ متعدّی وہ ہے جس کا فائدہ دوسروں کو پہنچے۔ اس کا تعلق انفاقِ مال عزیزوں کے ساتھ شفقت، صدقات و خیرات مظلوموں کی دادرسی اور محتاجوں کی حاجت روائی اور خلق خدا کے ساتھ مہربانی کے سلوک وغیرہ سے ہے۔ اس متعدی طاعت کا اجر بہت زیادہ ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے "جس قدر غم و اندوہ مجھ کو ہے دنیا میں کسی کو نہیں۔ کیونکہ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اپنا غم و اندوہ بیان کرتے ہیں۔ وہ سب میرے

دل وجاں میں جاگزیں ہوجاتا ہے۔ وہ دل بھی عجیب دل ہوگا جو اپنے مسلمان بھائی کا غم سنے اور متاثر نہ ہو۔" فی زمانہ ہماری کیفیت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمیں حضرت محبوب الٰہی کی اس نصیحت و موعظت سے سبق حاصل کرنے کی بیحد ضرورت ہے۔

خاصانِ خدا اور صوفیانِ باصفا کا ذکر وفکر اور مراقبہ و مجاہدہ، تزکیۂ نفس کے لئے ہوتا تھا۔ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو اور باطنی اصلاح کی تکمیل نہ ہوجائے اتباعِ رسولؐ معرفتِ حق اور عملِ صالح کی راہ ہموار نہیں ہوتی۔ یہ ریاضات اور مجاہدات صوفی کی زندگی میں ایک منزل کا حکم رکھتے ہیں۔ مگر منزلِ مقصود نہیں۔ تزکیۂ باطن ایک مسلسل عمل ہے اس کا تعلق محض اوراد و وظائف سے نہیں بلکہ مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع ہونا اور حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جملہ کاموں کو انجام دینا تزکیۂ باطن کے ثمرات و شرائط ہیں۔

مُربّی مربوب کی تربیت اسی وقت کرسکتا ہے جبکہ وہ خود تربیت یافتہ ہو۔ تزکیہ اور تصفیۂ باطن اسی لئے ہے کہ شیخ میں یہ قابلیّت پیدا ہوجائے کہ وہ رشد و ہدایت اور تربیتِ نفوس کا کام بخیر و خوبی انجام دے سکے۔

صوفی لوجہ اللہ انفاق کرتے ہیں بُخل اور تنگ دلی کا اُن میں شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ مشائخ کے ہاں جو لنگر جاری تھے اور بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی جاری ہیں وہ بھی قرآن کے اِن ارشادات کی تعمیل میں ہیں مثلاً آتیٰ المال علیٰ حُبّہٖ ویطعمون الطعام علیٰ حُبّہٖ مسکیناً ویتیماً واسیرا ○ اور یہ اطعام و انفاق خالصاً لوجہ اللہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ اِنّما نُطعِمکُم لوجہ اللہ لَا نُرِیدُ مِنکُم جَزَاءً وَلاشکورا ○

توکّل واستغنا

توکل و استغنا کے معنی آج کل غلط سمجھے جاتے ہیں یعنی یہ کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے اور بغیر مشقّت کے اس کی روزی بہم پہنچ جائے۔ صوفیائے کرام کے ہاں توکّل و اِستغنا کی تعبیر یہ ہے کہ انسان صدقِ مقال اور اکلِ حلال کا پابند ہو اور محنت سے اپنی معاش کو بطریقِ مشروع پیدا کرے۔ تجارت، زراعت، صنعت و حرفت سب میں اگر دیانت، امانت اور تقویٰ کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو یہ عین صواب اور باعثِ ثواب ہیں۔ تجارت اور چوپانی تو آنحضرتؐ کی سُنتِ متبرکہ ہے۔ معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ صدقِ مقال اور اکلِ حلال سے ہی سلوک کی منزلیں طے ہوتی ہیں اور

حدیثِ نبوی؛ "الکاسبُ حبیب اللہ" (محنت سے رزقِ حلال حاصل کرنے والا اللہ کا محبوب ہوتا ہے) اس کا نور سالک میں ظاہر ہوتا ہے۔ بقول مولانا روم رح ؎

علم و حکمت زاید از نانِ حلال عشق و رقّت آید از نانِ حلال

(علم اور حکمت حلال کی روٹی کھانے کا نتیجہ ہیں۔ حلال کی روٹی سے عشق و رقّت ہوتی ہے)

توکّل کے معنی یہ ہیں کہ سب امور میں فاعلِ حقیقی اور وکیل و مختار اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے اور عاقبۃُ الامور کو اس کے سپرد کر دیا جائے اس آیت کی یہ تفسیر ہے۔

"الیس اللہُ بکافٍ عبدہٗ"۔ جمعیۃ المشائخ کی تنظیم کے سلسلہ میں بھی میرا اعتقاد یہ ہے کہ حسبُنا اللہ نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

توکّل و جہد کے بارے میں مولانا روم نے جو حکایت شیر و روباہ لکھی ہے اس میں اس مسئلہ کی مکمل تشریح اور تحقیق درج ہے صرف دو شعر یہاں نقل کرتا ہوں۔

گفت پیغمبر بہ آوازِ بلند بر توکّل زانوئے اُشتر ببند
گر توکل می کنی در کار کن کار کُن پس تکیہ بر جبّار کُن

(آنحضرتؐ نے بہ آواز بلند فرمایا تھا کہ اونٹ کا زانو باندھ دو اور پھر خدا پر بھروسہ کرو۔ اگر توکّل کرتے ہو تو کام کے اندر کرو کام کرو اور پھر خدا پر بھروسہ کرو)

صوفیاء کے نزدیک متاعِ دردمندی اور تواضع و فروتنی کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ مکابرہ و مجادلہ سے وہ ہمیشہ اجتناب فرماتے ہیں۔ امام عبدالوہاب شعرانی سے لوگوں نے زرہِ اعتراض کیا کہ آپ کے مشائخ کے پاس بہت مال و دولت ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ مال و دولت اُن کے ہاتھ میں ہے اُن کے دل میں نہیں،

حضرت عبداللہ ابن مسعود یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ دنیا کو میرے لئے فراخ کر لیکن میرے دل کو دنیا سے ہٹالے۔

حضرت شاہ سلیمان تونسوی اپنے مریدوں کو یہ اشارہ فرمایا کرتے تھے۔

"جو کوئی اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھتا ہے وہ حق تعالیٰ کا مقبول ہو جاتا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ تمام مخلوقات پر خواہ شریف ہوں یا رذیل شفقت و رحمت سے نظر کرے تاکہ حق تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائے۔"

شیخ سعدیؒ کو اُن کے پیر و مرشد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

نے یہ نصیحت فرمائی تھی جسے سعدی رح نے اس طرح منظوم کیا ہے۔

مرا پیرِ دانائے فرخ شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آں کہ بر خویش خود بیں مباش دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(مجھے پیر دانشمند اور نیک سرشت شیخ شہاب الدین سہروردی
نے کشتی میں دو نصیحتیں کی تھیں ایک یہ کہ اپنی ذات کے لئے
خود پسند نہ بن اور دوسرے یہ کہ غیر کے لئے بد بین نہ ہو)

حضرت مجدد الفِ ثانی رح کو کسی شیخِ طریقت نے یہ لکھا تھا کہ آپ دوسرے مشائخ اور بزرگوں پر اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت ممدوح نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔ "حق جلّ مجدہ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافرِ افرنگی سے بہتر سمجھتا ہے۔ بزرگانِ دین کا تو ذکر ہی کیا"۔

بزرگانِ دین بالخصوص صوفیاء کرام کا شیوہ یہ ہے کہ وہ کسی کی دل آزاری گوارا نہیں کرتے اور دشمنوں سے بھی مہربانی و التفات سے پیش آتے ہیں۔

مخالفتِ نفس صوفیاء کی خاص چیز ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو رذائل اور اخلاقِ رذیلہ سے بچایا جائے اور ہر امرِ ممنوع اور غیر مستحب سے اجتناب کیا جائے۔ چلّہ کشی

اور مجاہدات کا مقصد بجز ضبطِ نفس کی قابلیت پیدا کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔ بقول غالب یہی نقش سلیمانی ہے ؎

نفس چوں زبوں گردد دیو را بہ فرمان گیر
محرمِ سلیمانم نقشِ خاتم از من پُرس

(نفس جب زیر ہو جائے تو جن اور دیو پر حکومت کر۔ میں حضرت سلیمانؑ کا رازدار ہوں خاتم۔ سلیمانی کا یہی نقش ہے)

حُسنِ اخلاق و اخلاصِ عمل

اہل الظواہر اور اہل الہوا، اصحاب لُب و اصحاب قِشر، علماءِ حق اور علماءِ سُو میں ایک بہت اہم ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ اوّل الذکر کے ظاہر و باطن میں باہم موافقت ہوتی ہے اور مؤخر الذکر کے افعال و اقوال میں نفاقِ راہ پا جاتا ہے اور ریاکاری و ظاہرداری کی آفتیں رُونما ہو جاتی ہیں۔ حضرتِ حافظ نے ان اشعار میں اسی صورتِ حال کی شاعرانہ انداز میں مذمت فرمائی ہے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند   چوں بہ خلوت میروند آں کارِ دیگر می کنند
گوئیا باور نمی دارند روزِ داوری   کیں ہمہ قلب و دغل در کارِ داور می کنند

(واعظ جو محراب و منبر پہ جلوہ فروشی کرتے ہیں جب خلوت میں

چلے جاتے ہیں تو اُن کے کچھ اور ہی طور تیور ہوتے ہیں
گویا کہ روزِ حشر کا اعتقاد ہی نہیں رکھتے۔ کیونکہ امورِ الٰہیہ میں
اس قدر مکر و ریاکاری سے کام لیتے ہیں)

اس کے بالعکس صوفیاء کرام کے ظاہر و باطن میں یکسانیت ہوتی ہے۔ بلکہ باطن ظاہر سے بھی بہتر ہوتا ہے۔ کتمانِ سر سے یہی مراد ہے۔ اسی لئے سنّتوں اور نفلوں کو گھر پر پڑھنا مسنون و مستحب ہے۔

حدیثِ نبوی میں ارشاد ہے: اِنّما الاعمالُ بالنّیات۔ اس لئے صوفیاء اخلاصِ نیّت پر بڑا زور دیتے ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح نے یہ حدیثِ نبوی نقل فرمائی ہے۔ "اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور ظاہر داری کے کاموں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے دلوں اور نیتوں کی طرف نظر کرتا ہے"۔ یعنی حُسنِ عمل کے ساتھ اخلاصِ نیّت امورِ خیریہ کے ساتھ صفائے باطن ضروری ہیں۔ بزرگانِ دین بالخصوصِ صوفیاء کرام اخلاق و معاملات میں آنحضرتؐ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے اور —— "قد کانت لکُم فی رسول اللہ" اُسوۃٌ حسنۃٌ کے مصداق تھے۔ آنحضرتؐ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انّك لعلیٰ خُلقٍ عظیم۔ آنحضرتؐ کے خلقِ عظیم اور مکارمِ اخلاق کا نمونہ صوفیائے کرام تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک روز حُسنِ اخلاق کے متعلق یہ بصیرت افروز نکتہ بیان کیا۔ "خَلق کا معاملہ خلق کے ساتھ تین قسم کا ہوتا ہے ایک قسم یہ ہے کہ کسی شخص سے دوسروں کو نہ نفع پہنچے اور نہ ضرر۔ یہ جمادات کا حال ہے دوسری قسم جو پہلی سے بہتر ہے یہ ہے کہ کسی سے دوسروں کو نفع پہنچے اور ضرر نہ پہنچے۔ اور تیسری قسم جو ان دونوں سے اچھی ہے یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو نفع پہنچائے اور اگر اُسے ضرر پہنچائیں تو وہ جواب نہ دے اور صبر و تحمّل سے کام لے۔ یہ صدّیقوں کا مقام ہے۔"

حضرت شیخ ابُوالحسن نے تصوّف کی یہ حقیقت بیان کی تھی کہ "تصوف رسوم و علم کا نام نہیں ہے بلکہ اُس سے مراد اخلاقِ حسنہ ہے۔"

حضرت شیخ محمد بن قصّابؒ کا قول ہے کہ "تصوف عبارت ہے اخلاقِ کریمہ سے جن کا ظہور کریمی کے زمانے میں شخصِ کریم کے ہاتھوں کریموں کی قوم کے لئے ہوا۔"

علومِ تصوّف کے حاصل کرنے کے لئے پہلی شرط حسنِ اخلاق

ہے اور حُسنِ اخلاق کا پیدا ہونا بغیر تصفیۂ باطن کے ممکن نہیں
جب آئینہ قلب مُجلّٰی و مُصفّٰی ہو جاتا ہے تو حقائق و معارف
کی اس میں جلوہ گری ہوتی ہے ؎

آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک — نقشِ ہا بینی بروں از آب و خاک

(جب دل کا آئینہ پاک و صاف ہو جاتا ہے تو اُس میں ایسے
نقوش نظر آتے ہیں جو عالم آب و گل سے ماوَراء ہیں)

حضرت شیخ مرتعش نے بھی تصوف کی یہی تعریف فرمائی ہے۔
"تصوّف خوش خُلقی کا نام ہے"۔

آنحضرت کا یہ ارشاد مبارک خوش خلقی و خندہ پیشانی کے
بارے میں وارد ہوا ہے۔ "مومن کشادہ جبین اور خندہ رُو ہوتا
ہے"۔ نیز حضور اقدس نے فرمایا کہ "آدمی اپنے حسنِ اخلاق کی
وجہ سے عابدِ شب زندہ دار اور صائم الدہر کا درجہ حاصل
کر لیتا ہے"۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد
فرمایا تھا کہ "حقیقتِ ایمان کے اعتبار سے کامل تر مومن وہ ہیں
جن کا اخلاق زیادہ اچھا ہے"۔

تعلیمِ شریعت و طریقت

صوفیائے کرام جامع شریعت و
طریقت ہوتے ہیں۔ جس طرح علم

بغیر عملِ صالح کے شجر بے ثمر رہتا ہے اسی طرح کشتِ اعمال بھی بغیر علم دین اور معرفت حقائق کے سرسبز نہیں ہوتی۔ اسی لئے بزرگانِ دین اور اکابرِ صوفیاء، علم و عمل دونوں پر یکساں زور دیتے اور اتباع سنت اور شریعت کو لازم سمجھتے تھے۔

صوفیاء کا ایک بڑا مقصدِ حیات دینِ حق کی تبلیغ ہے۔ اس سلسلہ میں صفائے باطن اِتباع شریعت اور حسنِ اخلاق کی ضرورت ہے علماء بھی تبلیغ کرتے ہیں اور صوفیاء بھی تبلیغ کرتے ہیں مگر دونوں کی تبلیغ میں بڑا فرق ہے۔ صوفیاء کا عمل اس آیتِ کریمہ پر ہے۔

"ادعُ الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم باللّتی ھِیَ اَحسنؕ ۝

دورِ حاضر کے تقاضے اور مشائخ کے فرائض: اب میں چند گزارشات

کرنا چاہتا ہوں جن کا تعلق براہِ راست جمعیت المشائخ کے قیام اور تنظیم سے ہے موجودہ زمانہ میں لادینی، لاادریت اور تشکیک کا ایک سیلاب اُمنڈا چلا آرہا ہے جس میں ایک بڑی حد تک مسلمان بھی بہے جارہے ہیں۔ متکلمین علیہم الرحمہ کے زمانے میں بھی

فلسفۂ یونان کی یورش سے امّتِ مسلمہ کی ہیئتِ اجتماعیہ میں بد اعتقادی اور زندیقیت پھیل گئی تھی۔ متکلّمین بالخصوص امام غزالیؒ نے عقلی دلائل سے ملاحدہ اور معتزلہ کی پرزور تردید کی لیکن اس سلسلہ میں سب سے مہتم بالشّان اور مؤثّر کارنامہ صوفیائے کبّار اور اصحابِ طریقت کا ہے جنہوں نے حکمتِ ایمانیہ سے حکمتِ یونانیہ کا مقابلہ کیا اور اپنے فیوض و برکاتِ روحانیہ اور ہمتِ قلب سے کام لے کر رُشد و ہدایت کی راہ ہموار کر دی۔

مولانا رومؒ نے اپنی مثنوئ معنوی میں ایک حکایت درج کی ہے کہ جب امام فخر الدین رازی کا آخری وقت آیا تو شیطان نے اُن سے ذاتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے بارے میں بحث شروع کر دی۔ امام رازی کے پاس اثباتِ واجب الوجود کی صدہا دلیلیں تھیں مگر شیطان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ گئی۔ ہر دلیل کو وہ دوسری دلیل سے قطع کر دیتا تھا۔ قریب تھا کہ امام رازی منکرِ خدا ہو جائیں۔ حضرت نجم الدین کبریٰ کو بذریعہ کشف یہ ماجرا معلوم ہوا۔ وضو فرما رہے تھے یک بہ یک پکار اٹھے کہ ایک امامِ وقت کافر مر رہا ہے اور فرمایا کہ اے

فخرالدین کہہ دے کہ میں نے خدا کو بلا دلیل مانا۔ اس طرح امام فخرالدین رازی کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے — فخرِ رازی رازدارِ دیں بدے
پائے استدلالیاں چوبیں بُوَد — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

(اگر دین کے معاملہ کا انحصار بحث و استدلال پر ہوتا، تو امام فخرالدین رازی حقیقت دین کے رازدار ہوتے۔ بحث و تحیص کرنے والوں کے پیر کاٹھ کے ہوتے ہیں اور کاٹھ کے پیروں کو ثبات نہیں ہوتا)

نورِ معرفت سے محروم عقلِ جُزئی مقصدِ حیات انسانی کے حصول سے قاصر ہے۔ ایک صوفی شاعر نے اس مضمون کو کیا خوب ادا کیا ہے ؎

بگذر از عقل و بیاویز بہ موجِ یمِ عشق
کہ دریں جوئے تُنک مایہ گہر پیدا نیست

(عقل کی حد سے آگے بڑھ اور عشق کے سمندر لہر سے ہم آغوش ہوجا۔ کیونکہ ندی کے کم پانی میں موتی پیدا نہیں ہوتا)

مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ طالبانِ حق بالعموم اور مشائخ زادگان بالخصوص دار العلوم شریعت و طریقت میں داخل ہو کر اپنی آبائی میراث یعنی علمِ شریعت و طریقت حاصل کریں گے اور علم معرفت سے منوّر اور اخلاقِ حسنہ سے مزّین ہو کر لوگوں کی روحانی پیشوائی کے قابل ہو جائیں گے۔ جب تک وہ خود علم و عمل کی برکتوں سے محروم ہیں دوسروں کو ہدایت نہیں دے سکتے۔

نسب و حسب کافی نہیں۔ بقول مولانا جامیؒ:

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامیؒ

کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(جامی تو عشق کا بندہ بنا ہے تو نسب کو ترک کر دے۔ کیونکہ اس راہ طریقت میں فلاں ابن فلاں کے کچھ معنی نہیں)

طریقت میں کامیابی کے لئے جمال اور کمال دونوں کی ضرورت ہے ؎ میراثِ پدر خواہی علمِ پدر آموز

(اگر باپ کی میراث حاصل کرنا چاہتا ہے تو باپ والا علم بھی حاصل کر)

تعلیم ظاہری کے ساتھ فیضانِ باطنی کا ہونا ضروری ہے۔ نسبت یعنی رابطہ شیخ سے ایک روحانی تعلق سلسلہ وار پیدا ہو جاتا ہے جو آنحضرتؐ کی روحانیتِ مقدّسہ تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اس

راہ میں ادب شرط ہے اور ادب عام درس گاہوں میں حاصل نہیں ہوتا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب ! بے ادب محروم ماند از لطفِ رب
بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(بے ادب نہ صرف خود خراب و خوار ہوتا ہے بلکہ تمام آفاق میں آگ لگا دیتا ہے)

تزکیۂ نفس ضروری ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور آنحضرتؐ کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
"ویزکیھم ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ ۝"

ایک صوفی بزرگ نے تصوّف کی یہ حقیقت بیان کی تھی، کہ "تصوّف حسنِ اخلاق ہے جو شخص تیرے ساتھ زیادہ حسنِ اخلاق سے پیش آتا ہے وہ تجھ میں زیادہ تصوف پیدا کرتا ہے"۔

حضرت حافظ کا یہ شعر تعلیمِ تصوّف کا نچوڑ ہے ؎

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

(کسی کو آزار نہ پہنچا اور جو چاہتا ہے سو کر۔ کیونکہ ہماری شریعت میں اس کے سوا اور کوئی گناہ نہیں)

اس سلسلہ میں دو چیزیں ازبس ضروری ہیں تعلیم دین یعنی حقائقِ

شریعت کی معرفت اور تصوّف کی تلقین یعنی تحسینِ اخلاق اور تہذیبِ نفس۔ صوفیار کا ایک بڑا مقصدِ حیات تبلیغِ دین ہے جیسا کہ حضرت محبوب الٰہی نے حضرت یحییٰ منیری بہاری کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا۔ لیکن برخلاف علماء ظاہر کے صوفیا کا مشرب مرنجان مرنج اور صُلحِ کُل ہوتا ہے۔ رواداری، تحمّل و بردباری اُن کے شِعار میں داخل ہے۔ وہ ہمّتِ باطن اور اخلاقِ کریمانہ سے کام لے کر کشورِ قلوب کو فتح کرتے ہیں۔ ضرورتِ شیخ اس لئے ہے کہ تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی منزلیں مشروطِ ادب و نیاز کے ساتھ طے ہوسکیں۔ مولانا روم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگ و صخرہ مرمر بُدی　　چوں بہ صاحبدل رسی گوہر شوی

(اگر تو پتھر، سنگ ریزہ یا سنگ مرمر ہے۔ اگر صاحب دل کی خدمت میں باریاب ہوگا تو گوہر بن جائے گا)

تو دلِ خود را چو دل پنداشتی　　جُستجوئے اہلِ دل بگذاشتی

(تو نے اپنے دل کو دِل سمجھ لیا اور صاحب دل کی تلاش چھوڑ دی!)

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

(مولوی اس وقت تک مولانا روم نہیں ہوا جب تک شمس تبریز کی غلامی نہ کی)

مذکورہ بالا تعلیمی و تبلیغی مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر دار العلومِ طریقت و تصوّف کے قیام کا اہتمام راولپنڈی میں کیا جارہا ہے تاکہ طالبوں اور مریدوں کا تزکیۂ نفوس بھی کیا جائے۔ اور علمِ شریعتؐ طریقت کی تعلیم بھی دی جائے۔

تصوّف کی تعلیم اور مریدوں کی تربیت کے لئے ایک دار العلوم کا قیام ضروری تھا۔ جہاں علومِ شریعت اور علومِ ظاہری کے ساتھ تصوف و طریقت کی تعلیم بھی دی جائے اور تزکیۂ نفس اور کریمانہ اخلاق کو طالبوں کے دل و دماغ کے ریشہ ریشہ میں پیوست کیا جائے۔ اس سلسلہ میں زمانۂ متاخّرین کے دو بزرگوں کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن کے انفاسِ قدسیہ اور فیوضاتِ باطنیہ سے اس سرزمین کو جواب "پاکستان" ہے بے انتہا سعادت اور برکت نصیب ہوئی۔ ایک قبلۂ عالم شیخ نور محمد صاحب مہاروی ؒ جو بزرگانِ سلف اور خاصانِ خدا کے نقشِ قدم پر چلتے تھے اور طریقت و شریعت دونوں کے جامع اور دونوں پر دل وجان سے عامل تھے۔ اُن کی شان کے بارے میں اتنا ہی ذکر کردینا کافی ہے کہ ایک دن اُن کے پیرِ طریقت شاہ فخر صاحب ؒ دہلوی ان کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ اے نور محمد سبحان اللہ، کہاں دکن اور کہاں پاک پتن۔

قدرت پروردگار دیکھو مجھے دکن سے کھینچ بلایا اور تم کو پاک پتن سے بھیج دیا۔" پھر یہ شعر پڑھا ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

(بصرہ سے حسن بصری، حبشہ سے بلال حبشی اور روم سے صہیب رومی اور سرزمین مکہ سے بوجہل، کیسی تعجب کی بات ہے)

حضرت قبلۂ عالم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مُریدوں کو تصوّف کی تعلیم کے ساتھ شریعت یعنی حدیث، قرآن اور فقہ کی تعلیم بھی دیتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کا بھی اہتمام ہوتا رہتا تھا۔

دوسرے بزرگ حضرت شاہ سلیمان تونسوی ؒ ہوئے ہیں جو حضرت قبلۂ عالم کے خلیفۂ اجل تھے حضرت شاہ صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ مدارس کا اجراء فرمایا جن میں شریعت و طریقت کی تعلیم دی جاتی تھی۔

آج ہمارے معاشرہ کی جو زبوں و زشت حالت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ نکاح کی بجائے سفاح کی رغبت بڑھ رہی ہے فواحش اور لہو و لعب کا عام رواج ہو رہا ہے غیرت و حمیّت کی افسوسناک کمی واقع ہو رہی ہے۔ ربح اور مضاربت کی جگہ قمار بازی اور ناجائز ذرائع سے جلبِ زر نے لے لی ہے۔ جو دولت تجارت و محنت سے پیدا کی جاتی تھی وہ اب چور بازاری اور احتکار سے پیدا کی جاتی ہے۔ گھروں میں جو مجالسِ موانست و مصاحبت بالخیر ہوا کرتی تھیں ان کی

بجائے اب "ترقی پسند" طبقے کے لوگ زندگی کا بیش قیمت حصّہ سینما، کلب اور ریس کورس میں گذارتے ہیں۔ ذوق لطیف کی آڑ میں جنسی خواہشات کو ابھارا جا رہا ہے فنونِ لطیفہ کے پردہ میں فحاشی اور بے حجابی کو فروغ دیا جا رہا ہے گویا گھر ویران اور کلب آباد ہوتے جا رہے ہیں۔ رشوت ستانی اور بے انصافی و بے رحمی کا دور دورہ ہے۔ ان واقعات کے پیش نظر اور گرد و پیش کی عافیت سوزی کی بنا پر نیک اور صاحبِ دل لوگ آزردہ اور رنجیدہ خاطر ہیں۔ اس طرح تباہی کے آثار مرتّب ہو رہے ہیں۔ بقول مولانا رومؒ

تا دلِ صاحبدلے نامد بہ درد ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

(جب تک کسی اہل دل کے دل کو اذیت نہیں پہنچی خدا نے کسی قوم کو رسوا نہیں کیا)

مشائخ اپنی خانقاہوں اور زاویوں سے باہر نہیں نکلتے، عُلماءِ سُو ہوسِ اقتدار اور دنیا پرستی میں مبتلا ہیں۔

مودودی جماعت معاشرہ کی اصلاح کی مدّعی ہونے کے باوجود معاشرہ کی اصلاح کی بجائے اقتدار کی دوڑ دھوپ میں لگی ہوئی ہے۔ فواحش و محرّماتِ شرعیّہ سے لوگوں کو بچانے کی بجائے اس کی تمام تر ہمّت ایک ایسی سیاسی ہنگامہ آرائی کی طرف مبذول ہو رہی ہے جس کا نتیجہ بجز بدامنی اور فتنہ و فساد کے اور کچھ نہیں ہو سکتا جن اقتصادی و معاشی مصائب' اور اخلاقی بدبختیوں

میں ہم مبتلا ہیں وہ ہماری شامتِ اعمال کی مثالی صورتیں ہیں۔ از ماست کہ بر ماست ہماری یہ عادت ہو گئی ہے کہ ہم اپنی ہر خرابی اور محرومی کا ذمہ دار اربابِ حکومت کو ٹھیراتے ہیں اور مکافاتِ عمل کے قانون سے غافل رہتے ہیں۔ جب تک ہم اجتماعی طور پر خود معاشرہ کی اصلاح نہیں کریں گے کسی خیر و خوبی اور فوز و فلاح کی توقع رکھنا عبث ہے۔ حدیثِ نبوی ہے کہ "اَعمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" تمھارے اعمال تمھارے حاکم ہوتے ہیں اور آنحضرت کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "کَمَا تَکُوْنُوْنَ یُؤَمَّرُ عَلَیْکُمْ"۔ "جیسے تم خود ہو گے ویسی ہی حکومت تم پر ہو گی"

میں بلا خوفِ تردید یہ کہتا ہوں کہ جب تک ہم اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح نہیں کریں گے کوئی بھی حکومت ہو، کوئی بھی نظامِ حکومت ہو، جمہوریتی ہو یا صدارتی ہماری اخلاقی و روحانی فلاح اور حقیقی سعادت و برکت کا موجب نہیں ہو سکتا۔ ملکوں میں جو فتنہ و فساد نام نہاد جمہوریت کے نام پر برپا کیا جاتا ہے یا سماجی انصاف کے نام پر امن و امان کو تباہ کیا جاتا ہے اُس سے معاشرہ کی حالت بد سے بدتر ہو جاتی ہے۔ علمار اور مشائخ کا یہ فرض ہے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کا کام کریں اور حرص و ہوا، فتنہ و فساد، باہمی رقابتوں و رنجشوں اور نفسانیت پر مبنی جھگڑوں کو دُور کریں۔ اسلامی معاشرہ کی ترکیب خاص ہے اس کا مدار اُخوّت،

ہمدردی خیراندیشی اور امداد باہمی پر ہے آنحضرت ؐ کا ارشاد ہے۔

"تھادّوا وتحابّوا" ایک دوسرے کو ہدیئے دیا کرو اور باہم محبت کیا کرو۔ بیعتِ رضوان کی دیگر شرائط میں یہ شرط بھی تھی؛

"وَالنُّصحِ لِکُلِّ مسلمٍ"۔ ہر مسلمان کی خیر خواہی "نُصح" میں نیک نصیحت اور نیک ہدایت بھی شامل ہیں۔

ہمارے معاشرہ میں حرص وہوسِ اقتدار، تعیّش پسندی، سماجی بہبود سے سنگدلانہ بے پروائی محرّماتِ شرعیّہ کے ارتکاب میں بے باکی کی مذموم روش محض اس وجہ سے ہے کہ ہم دینی مقتضیات سے غافل ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے اخلاقی قدروں کو پسِ پشت ڈال دیا ہے معاشرہ کی ان بیماریوں کا علاج اہلِ نظر حضرات کی بالعموم اور مشائخ کی بالخصوص ذمہ داری ہے۔ اس لئے باوجود اپنی بے بضاعتی کے میں اُنہیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں ؎

پند حافظ بشنو اے خواجہ برو نیکی کن
زآنکہ ایں پند بہ از دُرّ و گہر می بینم

(اے خواجہ حافظ کی نصیحت مان اور نیکی کر۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ نصیحت جواہرات سے بہتر ہے)

جب تک معاشرہ کے اخلاق و اطوار دُرست نہ ہوں گے ہمارا ملک نہ صحیح معنوں میں ترقی کر سکتا ہے اور نہ سماجی بہبود عوام کی معیشتی

خوش حالی اور سیاسی استحکام کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

جمعیۃ المشائخ کا قیام ان ہی عزائم و افکار سے متاثر ہو کر عمل میں لایا جا رہا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم فتنہ و فساد کو دور کریں اور امن و سلامتی کی فضا کو اسلامی اُصولوں کے مطابق قائم کرنے میں مدد دیں۔

موجودہ افسوسناک صورتِ حالات کی اصلاح ہسفلی محرّکات اور لذّتیت کے مفاسد کا مقابلہ اور روک تھام ہم سب کا فرض ہے آنحضرتؐ کا فرمان ہے کہ "تم سب راعی ہو اور اپنی رعیّت کے بارے میں حق تعالیٰ کو جوابدہ ہو"۔ یعنی والدین اپنی اولاد کے بارے میں مسئول ہیں، خاوند اپنی بیوی کے بارے میں مسئول ہے، اُستاد اپنے شاگردوں کے بارے میں مسئول ہے۔ آمرین اپنے مامورین کے بارے میں مسئول ہیں اور اُمراء اپنے زیرِ اثر لوگوں کے بارے میں مسئول ہیں۔

موجودہ دَور میں ایک مصیبتِ عظیمہ یہ ہے کہ مادّیت اور مارکسزم لینزم (اشتراکیت) نے نہ صرف خدا کے انکار کو ایک منظم عقیدہ کی شکل دے دی ہے بلکہ زیرِ اقتدار ممالک میں اشتراکیت کے ایک ایسے نظامِ حیات کو قائم کیا ہے جس میں دین و مذہب کے قائم رکھنے کی عملاً کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اور بالجبر دہریت کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ اس نظام میں اسلام کے حقائق کے اثبات اور اسلامی اقدار کے تحفظ

کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں اضطراب و ذہنی انتشار ہے۔ نفس مطمئنہ کسی کو حاصل نہیں۔ ان بیماریوں کا علاج حکماء کے بس میں نہیں۔ قلب کے طبیبوں کے ہاتھ میں ہے۔ میں عوام و خواص کی خدمت میں دلسوزی سے یہ عرض کروں گا کہ وہ اپنے درد کے درمان کے لئے اربابِ طریقت اور اہلِ تصوّف کی طرف رجوع کریں ؎

خرم آں لحظہ کہ مشتاق بہ یارے برسد آرزومندِ نگارے بہ نگارے برسد

(وہ گھڑی بھی کیسی خوشگوار ہوتی ہے جب کوئی مشتاق اپنے یار تک پہنچ جاتا ہے اور کسی مہ جبیں کا آرزومند اپنے محبوب کے دیدار سے بہرہ مند ہوتا ہے)

اور اصحابِ طریقت اور پیرانِ باصفا کی خدمت میں بھی یہ معروضہ پیش کروں گا کہ اُن کے فیوضات باطنی اور تصرفاتِ معنوی کو خانقاہوں تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ نفعِ خلائق کے لئے منظرِ عام پر آجانا چاہیے اس میں اپنے اور پرائے کا کوئی امتیاز مناسب نہیں ؎

دُور دستاں را بہ احسان یاد کردن ہمت است ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر می افگند

(دُور افتادہ لوگوں کو یاد رکھ کر اُن پر احسان کرنا عالی ہمتی کی بات ہے۔ ورنہ ہر درخت اپنا پھل اپنے قدم پر گراتا ہے)

یہ کام اُن ہی کے کرنے کا ہے اوروں کے مقدور میں نہیں ؎

ایں کار زِما آید از شیخ نمی آید   ہر کارے و ہر مردے ہر مردے و ہر کارے

(یہ کام ہمارے کرنے کا ہے شیخ کے بس کا نہیں۔ ہر کام کے لئے

ایک مرد ہوتا ہے اور مرد کے لئے ایک کام)

جس متعدی طاعت کا میں پہلے تذکرہ کر چکا ہوں اُس کی آج بے حد ضرورت ہے۔ کاش ہم اپنے اسلاف کے طریقہ پر چلیں۔ اَکلِ حلال و صدقِ مقال پر کاربند ہوں یعنی ہمت و سعی (خواہ تجارت ہو صنعت ہو یا حرفت یا کوئی دست کاری) سے اپنی روزی پیدا کریں اور حق بات کے کہنے میں دریغ نہ کریں۔ بفضلہٖ تعالیٰ مجھے اُمید ہے کہ دارالعلوم تصوّف جس کا قیام عمل میں آرہا ہے تزکیۂ نفوس کے ساتھ علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم دے گا اور ایسے مشائخ زادوں اور سالکوں کی تربیت کرے گا جو مشغول بالخلق و متوجہ بالحق ہوں گے اور

"باہمہ آشنا و از ہمہ بیگانہ باش"

(سب کا آشنا اور سب سے بیگانہ رہ)

کا مقولہ اُن کے حسبِ حال ہو گا۔

یہ جہاد بالقلم و جہاد بالقلب کا وقت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے اخلاق و اعمال میں "ذکر و فکر" کے آثار پیدا کریں اور خانقاہوں

میں عزلت گزینی یا مراقبہ اور اوراد و وظائف تک اپنی ہمت کو محدود نہ رکھیں بلکہ خدمت خلق اور نفعِ خلائق کے لئے عزم بالجزم کے ساتھ مستعد ہو جائیں۔ یہ طاعت بہ طریقِ خدمت کا زمانہ ہے۔ اس دور کے تقاضے ہمیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ آیئے اٹھیئے اور دنیا میں امن و امان، صلاح و فلاح، سماجی انصاف، نیک بینی و نیک اندیشی و نکوکاری کے قیام و استحکام کے لئے کام کیجیئے اور کریمانہ اخلاق و مشفقانہ انداز سے بدامنی، بُغض، نفرت، عداوت اور لادینی کے مہلک مفاسد کو دور کیجیئے۔

اشتراکیت کی لادینی قوتیں جوہری بموں، راکٹوں اور آواز سے تیز تر طیاروں اور دیگر تباہ کاریوں سے بھی مسلّح ہیں۔ جوہری توانائی کے جارحانہ استعمال کا خطرہ عالمِ انسانیت کے سر پر منڈلا رہا ہے اس صورت حال میں صوفیاء کرام اور اولیاء عظّام کے جانشینوں اور نام لیواؤں کا فرض ہے کہ وہ کمر بستہ ہو جائیں اور اپنی باطنی ہمّت و عزیمت سے کام لیں۔ یقین و ایمان کی دولت، منطقی استدلال اور فلسفیانہ مُوشگافیاں نہیں پیدا کر سکتیں۔ اس کے لئے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ باطن ضروری ہے تاکہ ذوقِ سلیم اور وجدانِ صحیح سے حق و باطل میں تمیز کرنے کی قابلیت اور توحید و

رسالت کے معارف سمجھنے کے لئے قلب میں اذعان پیدا ہو جائے۔ ان حالات میں مشائخ کرام کا فرض ہے کہ وہ لادینیت کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکنے اور اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے صف بستہ ہو جائیں بقول سعدیؒ ؎

اگر خاموش بنشینی گناہ است　　　وگر بینم کہ نابینا و چاہ است

(اگر تو دیکھے کہ اندھے کے راستہ میں کنواں ہے اور خاموش بیٹھا رہے تو یہ گناہ ہے)

میں مشائخِ کرام کی خدمت میں مؤدبانہ یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ وہ اس کارِ خیر کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور دامے، درمے، قدمے، سُخنے دریغ نہ فرمائیں۔

تا کجا آں حُسن عالمگیر گردد جلوہ گر　　　سبزۂ ہر بوستان و خارِ ہر ویرانہ باش
گر تو مردِ راہِ عشق ہمچو مرداں سر برآر　　　ورنہ بر رُخ پردہ گیر و چُوں زناں در خانہ باش

(جہاں بھی وہ حُسن عالمگیر جلوہ گری فرما رہا ہے ہر باغ کا سبزہ اور ہر ویرانہ کا کانٹا بن جا ۔۔ اگر راہِ عشق کا مرد ہے تو مردوں کی طرح باہر آ ورنہ مُنہ پر پردہ ڈال لے اور عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ رہ۔)

سبیل کار یہ ہے کہ توحیدِ حقیقی کی تبلیغ کی جائے جس کی عملی تعبیر یہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک مرکزیت پر جمع کیا جائے۔ اور رشتۂ محبت و

اخوّت میں منسلک کردیا جائے اور دنیا میں رب العالمین کی حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کرایا جائے۔ بہ رضا و رغبت نہ بہ جبر و اِکراہ۔ اسی طریق سے نفرت عداوت اور حقارت کو جو نسلی اور رنگ و بو کے دیگر امتیازات پر مبنی ہیں دور کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ہم لفظی و صُوری طور پر تو توحید کے قائل ہیں مگر معنوی و حقیقی اعتبارات سے توحید سے ناآشنا ہے

حرم جُویاں درے رامی پرستند
فقیہاں دفترے رامی پرستند
چو برافگن زرخ معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے رامی پرستند

(حرم کے متلاشی ایک در کی پرستش کرتے ہیں فقیہ ایک دفتر کو پوجتے ہیں۔ رُخ پر سے نقاب اٹھا تو معلوم ہوا کہ یار لوگ، کسی اور کو پُوج رہے ہیں۔)

ہمارے علمار کرام بھی تبلیغ کرتے ہیں لیکن صوفیار کی تبلیغ کا انداز اُن سے جُدا ہے۔ ہمّتِ باطن صوفیار کی شمشیر اور حسن اخلاق اُن کی سپر ہے وہ سپاہ کی تیغ بازی نہیں کرتے نگاہ کی تیغ بازی کرتے ہیں۔

اگر ہم تقویٰ اور حُبِّ رسول ؐ کے عصائے موسیٰ و ید بیضا کو ہاتھ میں لے کر میدانِ عمل میں اُتر آئیں گے تو اس آیتِ کریمہ کے مصداق ہوں گے۔

"ولتکن منکم اُمۃٌ یدعون اِلی الخیرِ و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔" "چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور واجباتِ خیر کا حکم دے اور لوازمِ شر سے روکے۔"

اور اس حدیثِ نبوی ؐ کے بھی مصداق ہوں گے۔ کہ "میری امّت میں ہمیشہ ایک گروہ رہے گا جو لوگوں کو حق کی طرف بلاتا رہے گا۔" دین اور علوم دین کے صحیح معنی میں احیاء کی اشد ضرورت ہے۔

مودودی جماعت بظاہر اس کارِ عظیم کی مدّعی ہے مگر وہ ائمۂ مجتہدین کی تقلید اور طریقِ صوفیاء و اولیاء کی مُنکر ہے۔ بیّنات و محکمات، کتاب اللہ کو متشابہات سے تعبیر کر کے اور سنّتِ رسول اللہ کو سننِ عادات پر محمول کر کے دور از کار تاویلیں کرتی ہے۔

اور اجماعِ اُمّت سے بھی منحرف ہے۔ ملّتِ اسلامیہ میں صالح و غیر صالح کی ایک مبتدعانہ تفریق پیدا کر کے مِلّی وحدت کو

درہم برہم کر رہی ہے۔ درآنحالیکہ امامِ اعظمؒ کا قول ہے کہ "اعمالِ صالح جزوِ صورتِ ایمان ہیں جزوِ حقیقت ایمان نہیں اور عاصی کو ملحد قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

مولانا مودودی کی جماعت کے دعاوی کے بارہ میں بجز اس کے اور کچھ کہنا نہیں چاہتا کہ ؎

صورتِ مذہب کہ می سازند تحسین می کنم
معنئ دیں را کہ می سوزند خلق آگاہ نیست

(مذہب کی ظاہری صورت کو جو یہ بنا سنوار رہے ہیں اس کی تو میں تحسین کرتا ہوں مگر دین کے معنیٰ کو جو یہ برباد کر رہے ہیں، خلق اس سے آگاہ نہیں۔)

ہم جو سلاسلِ اولیاء اور طُرقِ صوفیہ سے وابستہ ہیں۔ ہمارا مسلک مودودی جماعت اور اس کے مشابہہ و کم و بیش مماثل جماعتوں سے بالکل مختلف بلکہ بعض امور میں متضاد ہے ؎

ما برائے وصل کردن آمدیم
نے برائے فصل کردن آمدیم

(ہم میل ملاپ کے لئے آئے ہیں تفریق اور جدائی کے لئے نہیں آئے۔)

ہمارا تعلق کسی سیاسی جماعت سے نہیں ہے اور نہ ہم سیاسیات کی کشاکش سے ملوّث ہیں۔ البتہ حمایتِ حق، قیام امن اور تحفظِ ملّت کے لئے جدّ و جہد اور تعاون ہمارا فرضِ منصبی ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔

"تعاونوا علی البرِّ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"

مجھے اس امر کا حقُّ الیقین ہے کہ جب تک شرابِ عشق و عرفانِ الٰہی سے ہمارا میکدہ خالی نہیں ہوتا ہمارا معاشرہ تباہ و برباد نہ ہوگا ؎

از صد سخنِ پیرم یک حرف مرا یاد است
عالم نہ شود ویراں تا میکدہ آباد است

(مجھے اپنے پیر کی سو باتوں میں سے صرف یہ ایک بات یاد ہے کہ جب تک میکدہ آباد ہے۔ عالم ویران نہ ہوگا۔)

احیائے علومِ دین کے سلسلہ میں تصوّف و طریقت کی صحیح تعلیم بس لازمی ہے دورِ حاضر کی بدگمانیوں تشکیک اور مادّیت پرستی کا علاج تصفیۂ قلوب اور تزکیۂ باطن کے بغیر

نہیں ہو سکتا اور اس کی کوئی صورت نہیں ہے بجز اس کے کہ مشائخ
کرام، سجادہ نشین اور پیر صاحبان اپنے صاحبزادوں اور
ارادت مندوں کو طریقت و شریعت کی صحیح تعلیمِ دین اور خود
ان کی تربیت طریقۂ صوفیاء کے مطابق فرمائیں۔ اگر یہ بات
نہ ہوئی تو تصوّف کی حقیقت کا استقرار اور اثبات نہیں ہو سکتا
اور حضرت شیخ ابوالحسن فوشنجہ کا یہ قول صادق آئے گا کہ

"تصوّف کا آج نام رہ گیا ہے اور اس کی
حقیقت باقی نہیں رہی ایک زمانہ تھا، کہ
اس کی حقیقت موجود تھی اور محض نام نہ تھا۔"

میں صدرِ مملکت اور گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خاں
سے بہ ادب استدعا کروں گا کہ جملہ فواحش اور محرّماتِ
شرعیّہ کو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے۔ یہ ملّتِ اسلامیہ پر
احسانِ عظیم ہوگا۔ جس کا اجرِ جزیل بارگاہِ الٰہی سے ملے گا،
اور ملک کی فلاح و بہبود بھی ہو جائے گی۔ میری دُعا ہے
کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ہمیں اپنے نیک عزائم میں کامیاب و بامراد
فرمائے اور ہمارے ملک کے سربراہ کو یہ توفیق ارزانی فرمائے
کہ وہ شرائع اور شعائرِ اسلامی کی ترویج میں ہماری ہر ممکن

اعانت فرمائیں اور حضرت اقبالؒ کی یہ دعا بارگاہِ ربوبیت میں شرفِ قبولیت حاصل کرے۔

بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر دل صورتِ مینا دے

وَآخر دعوانا ان الحمد لله تبارك و تعالیٰ والله المستعان ط ربنا آتنا فِی الدُّنیا حسنة وَّفِی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ۝

الداعی الی الخیر

خاک پائے بزرگانِ دین

سیّد محمّد سعید بہاری غفرلہٗ
نائب صدر
مرکزی جمعیت المشائخ پاکستان

مصنّف و ناشر

ایس - ایم سعید بہاری

۴/۵۰، - ایس - ایم - سعید بہاری روڈ

نیو ٹاؤن - کراچی ۵

تقسیم فی سبیل اللہ

فیروز سنز، کراچی